

بجھے تو کوئی گریاں کوئی جیراں کوئی سوزائی

کسی کے بھیس میں ہم بھی تیری محفل میں رہتے ہیں۔

نیکم صاحبہ کی سرکار میں بڑے نواب کے انتقال کے بعد کسی قسم کا تغیرہ نہ ہوا تھا۔ وہی پرانی محلدار رہی۔ وہی بڑے دار و خدم صاحب۔ وہی دقیقاً لوگی دلواہی۔ اور سب سے بڑھ کے ہمارے مکرم دوست کریم خان جدید لازموں میں ایک بی مخلانی اور ایک چھٹی نویں تھیں۔ یہی مخلانی اور چھٹی نویں ان عورتوں میں سے تھیں جو بڑے نواب کے سوم کے دن بطور تزیین آئی تھیں۔ اور سب لوگ جو اس تقریب سے آئے تھے اپنے گھروں کو چلا گئے۔ مگر یہ دونوں عمدگا یا آتفاً چہلم تک کے لئے رہ گئیں۔ اور اپنی چالاکی اور کارگزاری سے نیکم صاحبہ کے مزاج میں اس قدر دخیل ہو گئیں کہ چہلم کے بعد جب انھوں نے گھر جانے کا قصد ظاہر کیا تو نیکم صاحب نے روک لیا۔ یہ دونوں عورتوں میں آئی تو تھیں بطور سماں۔ مگر پہلے سے ارادہ لازم تھا اس لئے ہر کام میں دخل دینا ضروری کیا۔ اگرچہ نیکم صاحب ملپند نہ تھیں اور نہ ایسے لوگوں سے خوش ہوتی تھیں جو خواہ خواہ دخل در محققولات کے عادی ہوتے ہیں۔ لیکن بڑے نواب کے عرنے کا صدمہ ایسا نہ تھا کہ اس سے طبیعت میں کسی قدر ضرف نہ آ جاتا۔ یہی ضعف طبیعت ان دونوں کے حق میں مُفید ہوا۔ اس میں شک نہیں کریے عورتوں میں تھیں تجربہ کار اور سلیقہ شوار تھیں جی مخلانی کا سن اب چالیس سے بچھے اور تھا۔ نصیر الدین حیدر پادشاہ کے زمانہ کے واقعات ان کو اس طرح یاد تھے جیسے مل کی بات۔ چھٹی نویں تیس اور چالیس کے درمیان تھیں۔ کامیابی اچھی تھی۔ اس لئے جوان معلوم ہوئی تھیں۔ دونوں ایک ہی محلہ کی رہنے والیاں تھیں۔ اور باہم دوسرے کچھ دشمنت تھا۔ مگر چھٹی نویں مخلانی کو خالہ کہتی تھیں اور دونوں میں اتحاد بھی اس طرح کا تھا کہ یہ رشتہ اگر درحقیقت نہ تھا تو اس کا ظاہر کیا جانا ضروری تھا۔ دونوں ایک جان اور دو قاب تھے چھٹی نویں نوشت و خواند میں پختہ کار تھیں۔ مخلانی بڑھ کی تھی تھیں۔ مگر حد کی زبان آور۔ دونوں علم میں طاقت۔ اور ایزرا دیلوں کے دل بہلانے میں مشاق تھیں۔ تیزداری۔ سلیقہ شواری۔ بات چیت کا قرینہ۔ مزاج شناسی یہ سب اوصاف ان دونوں میں جمع تھے۔ اگر ایک ان میں سے کسی صفت میں کم

تھی تو دوسری نے اس نقصان کو پورا کر دیا تھا۔ دلوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم تھیں مثلاً مغلانی ناخوازدہ تھیں۔ چھٹپتی نویس خواندہ چھٹپتی نویس کو سلاں کے کام میں داخل نہ تھا۔ مغلانی اس فن میں یافتہ تھیں۔ مغلانی کو بلائے معلیٰ کی زیارت سے مشرف ہو چکی تھیں۔ سفر دیا کا ان کو مجربہ تھا چھٹپتی نویس حیدر آباد۔ لکھاڑی۔ ہوائی تھیں۔ گنجی سال تک دیسی ریاستوں کی سرکار ایک تھیں ایک سال بھر مٹیا برج میں رہی تھیں۔ وہ کہانی خوب کہتی تھیں۔ ان کو یکڑوں شرنوک زبان تھے۔ یہ حدیث خوب پڑھتی تھیں۔ وہ نوجوانی میں کمال رکھتی تھیں۔ غرضکہ ہربات میں جوڑ کا توڑ تھا۔ دونوں سفاف مخلاف ایسیہ کی طرح حکم واحد میں تھیں۔ اگر جو بظاہر دو تھیں۔ بلکم صاحبہ جس قدر ان کا تقریبے یاد ہوتا تھا اور ملازمین کا رشک بڑھتا جاتا تھا۔ بیگم صاحبہ خود عقیل اور فہمیدہ تھیں۔ کوئی وجہ قول نہیں ہے کہ اگر نوگر حسب مرضی کا ہے تو ماں کی تو جو اس پر زیادہ نہ ہو۔ بیگم صاحبہ کے مزاج میں کسی قدر جزو رسکھر تھی۔ اسی کے مناسبت ان میں زیادہ طلبی نہ تھی۔ پھر کیونکہ نہ بھتی۔ مرشد سے اور ان دونوں عورتوں سے کسی نہ کسی طرح کا رشتہ باطنی جزو رکھتا۔ مگر اسقدر باریک اور خنی کے کلام بین یا خورد بین سے بھی مشکل نظر آئے مزید بران یہ کہ خاص تمہارا جب اور ان کے لواحقین سے اس کے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس سے مرشد اور خلیفہ کو صرف یہ فائدہ پہنچتا تھا کہ اگر احیاناً ان کا ذکر بیگم صاحبہ کے رو بروائے تو کلمات مناسب سے ان کی مدح و تعریف کریں یا اگر کوئی درا نداز ان کی بات میں کچھ قدح کرے تو اس کی تردید ملائیم ہو جایا کرے خلاصہ یہ کہ مرشد کا اثر اندر سے باہر تک پھیلا ہوا تھا۔ اور پھر اس پوشیدگی کے ساتھ کہ صیاد اپنے دام کو بھی اس طرح نہیں چھپا سکتا۔

حکم صاحب کو اگر پہ اور جال بند یوں کی اطلاع مل جائے تھی۔ مگر ان افسوس جو جانتے تھے کہ وہاں مرشد کا پھیرا ان کے حقوق میں سخت مضر ہے۔ حکم صاحب کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مرشد نے مہری کو ان کے لئے جا۔ تے دیکھ لیا ہے اس دن سے اور بھی کھٹکنے لگے۔ مگر پھر بھی انھیں اپنے زور بازو پر غرہ تھا۔ اور مہری کی جرب زبانی اور مہری کے ساتھ اپنے حسین سلوک سے ان کو پوری امید کا میابی کی تھی۔

برسات کے دن ہیں۔ کئی دن سے منیہ کی جھٹپٹی لگی ہوئی تھی۔ آج مرپھر کو خدا خدا کر کے ذرا بارش کم ہوتی ہے۔ بلکہ ہلکی بوندیاں بچھی پڑ رہی ہیں۔ اس قدر تختیف بارش نے دلوں کو یہ پر آمادہ کیا ہے جھوٹے نواب کی ڈکھاتی تیار ہوئے نواب صاحب اور خلیفہ جی دونوں سوار ہو کر بادشاہ باغ کی یارکرنے کو لگئے۔ یہاں ایک آفت تازہ کا سامنا ہوا۔ ایک شاہد بازاری سے جھوٹے نواب کی آنکھ لٹا کی۔ جھوٹے نواب صاحب کو اگرچہ ملکہ حسن پرستی کا نہ تھا۔ نہ ایسے خوش نظر تھے مگر نابغہ بہ کار امیرزادے جب مطاق العنان ہوتے ہیں اور مفت کی دولت ہاتھہ آئی ہے تو انھیں سوائے اس کے کوئی فکر نہیں ہوتی کہ اس کے لفڑی کا کوئی بہانہ ہاتھہ آئے۔ اس قسم کے بہانے طبیعت خود اختراع کیا کرتی ہے۔ دولت آشنا۔ نوکر چاکر اُن کی تلاش میں رہتے ہیں۔ مثلاً آج آخر ہفتہ ہے۔ چلنے پیکاں کے نیلام میں چلیں۔ وہاں لگئے کار بے مصروف چیزیں خرید لیں۔ وہ چیزیں کرنے اُن کی ضرورت کبھی تھیں۔ اور نہ ہوگی۔ اور جہاں پر لائے ڈال دیں گیں۔ وہاں سے اگر انھیں کی قسمی دن انھیں گی۔ جب قرض خواہ مہا جن انھیں ترقی میں لے جائے گا۔

الفہد پہن شہر میں آئی ہے اچھا تو جس دن سے وہ تماشہ کر رہا اور جس دن بیک ختم ہو وہاں سب کو بلا ناخدہ شریک ہونا فرض گیا ہے۔ دس دس ٹکڑ خاص درجے کے لوز آنے خریدے جاتے ہیں بلکہ ایک ماہ کے لئے معاملہ کر لیا۔ یا مثلاً کوئی فلاں بال جی کو امیر سے آئی ہیں۔ اچھا تو ان کا مجرادی کھانا و آب ہے چلنے دو چار سو اسی طرح خرچ ہو گئے۔ یا مثلاً کوئی شاہد بازاری نیانیا بازار میں آئے اُسے نوکر رکھنا لازم ہے۔ دو چار مہینے کے لئے نوکر رکھ لیا۔ ہزار دو ہزار روپے سرف ہو گئے۔ شہر بھر میں شہر تر ہو گئی۔

واقعی دولت کے لٹا نے میں ایک لطف خاص ہے جسے درحقیقت کو جنم کی تقریب کی ضرورت نہیں شراب۔ رندھی۔ ناتھ۔ رنگ۔ سر و شکار کھیل تماشے پر سب بہانے نہیں ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو دولت لٹا نے والوں کو ان چیزوں سے زیادہ خطر نہیں سنتا۔ اس قسم کی شو قیزیاں اکفاریت شو سے بھی ہو سکتی ہیں۔ بلکہ جو اس کرتے ہیں وہی زیادہ مزے اڑاتے ہیں۔ مگر روپیہ جن کے ہاتھ میں

کاٹتا ہے وہ کیا کریں اُن کو تو اُسی کے پھینکنے میں مزدہ آتا ہے ہمارے چھوٹے نواب صاحب اسی مرض میں بیٹلا تھے۔ ایک رندیہ سے نوکر تھی خورشید اور وہ اس میں شک نہیں کہ ضرورت سے زائد تھی اب اسے دیکھ کے اس کے نوکر رکھنے کی فکر ہوئی اس مصروف بج� اور ہوس بیہودہ کا علاج کیا ہے۔ مرشد اور خلیفہ جی جو بمنظماں نا صحیح مشق بنے ہوئے تھے اُن کا یہ فنا تھا کہ دولت کے بہاؤ کا ایک بھی رُخ کر دیا جائے اور وہ رُخ اپنے گھر کی طرف ہو۔

جب بادشاہ باش میں اُس شاہد بازار سے نواب کی آنکھیں لٹایں اور نواب صاحب نے مدیر دوائی اور مسلسلہ جنبائی کا قصد کیا تو سب سے پہلے یہ قصد اُس سے بیان ہونا تھا جو اس وقت اُن کے پہلو میں تھا یعنی خلیفہ جی سے۔ خلیفہ جی نے پہلے تو نا صحیح مشق بن کے منع کیا اس منع کرنے سے یہ فنا تھا کہ نواب صاحب بازا رہیں۔ بلکہ ہوئی طبیعت کو زیادہ تر برداشت کرنا تھا۔ جب نواب صاحب کا میلان طبیعت زیادہ دیکھا تو خود ہی جا رہ ساز بن گئے۔ گاڑی سے اُترے ایک ملازم کو بھیج کے اُس کی ناگزیر سے علیحدہ بلا کے کچھ ادھر اُدھر کی باتیں کر کے چلے آئے۔

جب خلیفہ جی اور ناگزیر سے گفتگو ہوا کہ نواب نہارت کی شوق سے انتظار کرتے رہے۔ ہزار دل دھا مانگنیں سیکڑوں منیں مانیں۔ مگر افسوس کہ خلیفہ جی نے کسی مصلحت کی بنا پر اس حضرت کو پورا نہ ہونے دیا۔

خلیفہ۔ (نواب صاحب سے) پانچ سور و پیہ ماہوار مانگتی ہیں۔

چھوٹے نواب۔ (پانچ سور و پیہ کا نام سن کر کسی قدر بایوس سے ہو گئے۔ اس لئے کہ اگر چر دوں کافی تھی مگر وہ سب سیکم صاحب کے قبضہ میں تھی قانوناً ناپالن تھے۔ پانچ سور و پیہ ماہوار کی رندیہ نوکر رکھنے کا مقدمہ در تھا نہ جراحت) اچھا دو ایک شب کے لئے آئیں۔

خلیفہ۔ میں نے بنیر آپ کے گھے کہا تھا۔ وہ راضی نہیں ہوتیں۔ خدا کی قدرت پانچ سور و پیہ ماہوار سور و پیہ پر تو کوئی پوچھے گا نہیں۔ آپ کا نام سن کے منہ چھیلا تی ہیں۔ حضور کیا یا ہی رندیہ ہے اور سیکڑوں ہیں۔

نواب (ایک زیر لب آہ کر کے) جانے دو۔

خلیفہ۔ پھر کیا کیا جائے۔ پانچ سور و پیہ بھی ممکن ہے۔ مگر اس لیاقت کا آڈی بھی ہو۔

نواب۔ (بنظاہرا پنی بے پروال جتنے کے لئے) نہیں پانچ کی لیاقت تو نہیں ہے۔

خلیفہ۔ پانچ سو کیسے سور و پیہ پر بھی لگاں ہیں۔

نواب۔ ہاں بس ہیں سو ڈیڑھ سو۔

خلیفہ۔ بس آپ نے حد کی بات کہہ دی۔ ڈیڑھ سور مرح فرمائشات۔ ہم یہی بجھے کے لگنے تھے کہ سو روپیہ ماہوار تنخواہ دی جائے گی۔ اور بچا س رپیہ اور بر سے خرچ ہوں گے مگر وہ تو پہنچے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتیں۔

نواب۔ (دل کا مالک دیکھنے کے لئے اپری دل سے) دفان کرو۔

خلیفہ۔ جھی ہاں۔ دفان کیلئے دیکھا لک اور معاملہ ہے اُسے دیکھ لیجئے۔

نواب۔ کہاں؟

خلیفہ۔ اب کہاں بتاؤ؟ دکھادوں گا۔

نواب۔ اس سے اچھا ہے۔

خلیفہ۔ اچھا کیسا۔ یہ اُس کے سامنے لوٹدی معلوم ہوگی۔

نواب۔ اور تنخواہ کیا لے گی۔ کچھ کم پر ہو جائے گی۔

خلیفہ۔ پہلے دیکھو لیجئے اُس کے بعد گفتگو کی جائے گی۔

نواب۔ اچھا تو آج ہی بوا بھیجے۔

خلیفہ۔ حضور آج کیا دس دن میں بھی ممکن نہیں۔ کیا کوئی کبھی خانگی ہے۔ لکھ رکھت ہے

نواب۔ پھر کیونکر دکھاد جائے گا۔

خلیفہ۔ ہم تو کسی نہ کسی طرح دکھاد میں لگے

نواب۔ تو پھر کب۔ اتنے کہنے سے یہاں تو اشتباہ ہو گیا۔ رات بھرنے میں آکے گی۔ اور آپ

لیت و محل کرتے ہیں۔ پھر کیونکر بات بنے۔

خليفة۔ حضور ابھی آپ ناجربہ کار ہیں۔ عشق بازی کے لیے تو مرنے ہیں۔ جس قدر فراق کا الم زیادہ ہوتا ہے اتنی ہیں لذت وصال کی بڑھ جاتی ہے۔ ابھی تو آپ عشق کے کوچے میں داخل بھی ہیں ہوئے۔ اور نہ جوانان بازاری سے آپ نے تعلقات کئے۔ عشق نہیں ہے۔ ان سے عشق ہی کی دس کی جگہ بس خرچ کئے۔ یہ ہاتھ جوڑنے لگیں۔ عشق بازی کا طف پر دہشتینوں سے ہے برسوں انتظار ہے۔ پہنچاں وسلام ہے۔ وعدے وعید ہیں۔ ناکامیا بیاں۔ بے تابیاں۔ اخترشمار یاں۔ اضطراب شوق ہے۔ لذتِ ذوق ہے۔ غرض کہ جو جو مرنے عشق پر دہشتین میں ملتے ہیں۔ شاہدان بازار سے اُس کا ایک شتمہ بھی امکان میں نہیں۔ پھر اطف یہ کہ اگر عشق پر دہشتین میں کامیابی ہو گئی۔ اور وہ قابو میں آگئی۔ پھر کیا ہے۔ عمر بھر نباہ دستی ہیں۔ شاہدان بازاری بے دفا ہوتے ہیں۔ ایک ان کی یہ عادت ہے کہ جن کی نوکر ہیں اُسی کے خدمت گار سے اٹکی ہوئی ہیں۔

نواب۔ مگر پر دہشتین کے عشق میں مشکلیں ہیں۔ اس کے لئے مدت چاہیے۔ اتنی فرصت کے؟۔ خلیفہ۔ جب جذبہ کامل ہو تو سب مشکلیں آسان ہو جائیں ہیں۔ دل ضرور ہوئی ہے۔ مگر آپ نے سننا ہوا دیر آید درست آید۔ اور فرصت کو جو کہہ تو آپ کو کام ہی کیا ہے بیکاری محض اُس سے یہی شغل کیجئے۔ دل تو ایک طرف ابھارتے ہے گا۔

نواب کے دل پر اس حاد و بھری تقدیر نے اپنا پورا اثر کیا۔ طبیعت پہلے ہی سے متعدد تھی اب اس اشتغال سے بالکل ہی آمادہ ہو گئی نادیدہ عاشق بن گئے اس لئے کہ خلیفہ جی کا اعتقاد اُن کے دل پر جا ہوا تھا۔ اُن کی ایک ایک بات کو وحی آسمانی بھخت تھے۔ بادشاہ باغ میں اس وقت شہر کی اکثر رنڈیاں جمع تھیں۔ نواب ایک ایک کی طرف اشارہ کر کے خلیفہ سے پوچھتے تھے ایسی ہے وسی سے۔ خلیفہ مجھی ہر ایک سے اس کو فوق دیتے ہیں۔ نواب صاحب حسن مثال کے تصور میں محو تھے اکٹانبر اول کی بوتلیں برف۔ سوڈالمنڈ۔ والاتھی نازنگیاں یہ سب سامان ہمراہ تھا۔ دور جتنا جاتا تھا خلیفہ خود دھماوات پینے والوں میں تھے اور تکلیف یہ کہ بوتلیں کی بوتلیں خال ہو جائیں گے اُن پر زندگی اُثر

نہ ظاہر ہو۔ نہ قدم بگڑا۔ نہ زبان رکھ دے۔ ہال البتہ انکھیں کسی قدر جڑا صد جایا کرتی تھیں۔
 نواب صاحب کو بھی اچھی مشق ہو گئی تھی۔ شراب کا اثر تختیل (واہم) پر زیادہ ہوتا ہے۔ انسان
 چیر کا تصور کرتا ہے وسا ہی ہو جاتا ہے۔ نواب اس وقت ہمہ تن عاشق بنے ہوئے تھے۔ غرض کر
 عجب اٹھنے لگتا۔ آٹھ نوبجے رات تک یہ سر رہی اس کے بعد گھر پر آکر۔ خاصہ تیار تھا۔ نوبجے دستخوان
 بچھایا گیا۔ نواب صاحب خلیفہ جی اور مخفی معاجمین نے لکھانا کھایا۔ کھانے کے ساتھ ہی دور چلتا
 جاتا تھا۔ کھانا کھاتے کھاتے نواب پر خواب غفلت کا اسلطہ ہو گیا۔ خدمت گاروں نے اٹھا کر پلنگڑی
 پر اٹا دیا۔ خلیفہ جی گاڑی کسوائے اپنے گھر کو روشن ہونے۔ رات کو تین بجے نواب کی آنکھ کھل۔
 خدمت گار کو پکارا۔ اُس نے دو گلاس برف آب پلانے۔ ایک دور شراب کا اور دیا۔ پھر فرمادی گئی
 اب جو سوئے تو دن کو آٹھ بجے آنکھ کھلی۔ جب تک نواب نے غسل کیا۔ شب خواب کی پوشائی اُتاری
 چاہتیا رہوں۔ اتنی دیر میں خلیفہ بھی بچوں کے ساتھ چارپی۔ طبیعت چاق ہو
 دہی رات کی باتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔
 نواب۔ کہنے والے رات کی بات۔

خلیفہ۔ کہنے والے اس کی بات کی رات کے ساتھ۔ میں نے تو ہر چون اُس رندھی کی طرف سے آپ کا
 دل پھیرنے کے لئے ایک بات سمجھا دی تھی۔ آپ کو یہ تین اُگریا۔

نواب صاحب نے اس کا وہ جھوٹ لکھا۔ تو یہ کب تھے۔ لے بس مذاق نہ یہ چھے۔ لالہ آج اس جان جہا

کی صورت ایک لفڑ دکھا دیجئے۔
 خلیفہ۔ اُن رئی بیتلی۔ کہیں صورت دیکھ لیجئے کا تو نہیں معلوم کیا حال ہوگا۔ اچھا خیر کیا یاد
 کیجئے گا۔ آج ہی اُس کی صورت آپ کو دکھا دوں گا۔

نواب۔ تو کس وقت سواری کو حکم دیدے جائے۔

خلیفہ۔ چار بجے۔

اور حضرت ابھیں نہیں دل میں
ایک نظر دیکھنے کا ہوں مشائق

عاشق کی حستیں رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہیں جب کسی حسین کا تذکرہ کسی سے مٹا پہلے تو صرف اتنی آنزو
ہوتی ہے کہ ایک نظر اسے دیکھ لیں جب ایک نظر دیکھنا نصیب ہوا تو اب یہ ارمان پیدا ہوا کہ وہ ہمیں دیکھے
لے۔ جب یہ عزم بھی طے ہوا تو اب ہمکاری کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہوا تو وہاں تک
ہمام پہنچانے کی دعویٰ ہے۔ غرض کسی نہ کسی طرح اظہراً عشق ہو۔ اس کے بعد مدعا یہ دل کا اظہار
یہ مقام سخت مشکل ہے کہ ”دونفظوں پر قسمت کا فیصلہ ہے۔“ ”ہاں“ یا ”دہمیں“ اگر اقرار ہوا تو اب
 وعدہ ہوا۔ مدتین ایفا کے وعدہ کے انتظار میں گذر گئیں۔ اس پر بھی وصال ہو یا نہ ہو۔ اور اگر
وصل ہو تو پھر کیا ضرور سچھ دامن ہو۔ ایک شب کہیں اتفاقی سے برگزندہ مقدمہ را ہ پر آگیا۔ پھر
وہی فراق۔ وہی انتظار وہی شب ہے۔ تار۔ وہی نالہ بائے زار۔ درصورت انکار اگر بڑے سخت
جان ہوئے۔ اور اسی وقت دم نہ نکل گی تو ایک عمر ناہر ہٹا۔ اب دیکھنے نواب کی تقدیر میں کیا لکھا
ہے۔ چار بجے سوار ہوئے گاؤں خلیفہ جی کے اشاروں پر روانہ ہوئے۔

میری آنکھیں نصیب ہوں روزِ دلوں ارجانِ میں
کوئی تجویز اے مهارائیں بر محل نکلے

کشیری محلہ۔ منصور نگر۔ کاظمین۔ یہ سب محلے طے ہوئے۔ دیانت الدولہ کی کربلا کے پاس گاؤں
مرگی۔ نواب صاحب۔ خلیفہ جی۔ اور ایک خدمت گار گاؤں پرے اُتھے۔ سڑک کی بائیں طرف ایک
گلی میں روانہ ہوئے۔ تیج در تیج گلیوں میں سے ہوتے ہوئے خدا جانے کیاں سے کھاں جا نکلے خدمت
اگرچہ خلیفہ جی کا آ درود تھا گر پھر بھی احتیاط اسے ایک مقام پر ڈھنرا دیا۔ اب یہاں سے نواب صاحب
اور خلیفہ ایک گلی سی گلی میں روانہ ہوئے۔ یہ گلی ایک نالے پر ختم ہوئی۔ اُس نالے میں سے ہو کے پھر

کی گلیاں لٹے کیس۔ اب دیرانہ ساملا۔ اس میں ایک پختہ مکان تھا۔ مگر بہت ہی بوسیدہ۔ جا، بجا سے شکستاں ملکے بر ابر ایک اور چھوٹا سا مکان تھا۔ مفصل خلیفہ جی نے جیپ سے کنجی نکال۔ قفل کھولا۔ نواب صاحب کو اندر لے گئے۔ لکڑی کا زینہ لٹکا ہوا تھا۔ اُس پر سے کوٹھے پر جوڑ سع۔ ایک جھپر سا پڑا ہوا تھا۔ اس چھپر میں ایک چٹال بڑی ہوں۔ یہاں دونوں صاحب بیٹھے۔ جہاں پر بیٹھے تھے۔ اُس کے قریب دیوار میں ایک نوزن تھا۔ خلیفہ جی نے کہا اس روزن سے آنکھ لٹکا کے بھاننا۔ سارے پختہ مکان کا دالان تھا۔ اُس میں مختوں کا چوکا لٹکا ہوا تھا۔ لاؤ تکریہ سے لگی ہوئی ایک بڑی بیٹھی ہوئی تھیں۔

نواب صاحب۔ ایک بڑا فیسا منے بیٹھی ہے۔

خلیفہ۔ میں دیکھوں۔

خلیفہ جی نے کہا۔ پھر دیکھئے۔ میں ابھی آتا ہوں۔ نواب صاحب روزن دیوار سے نظر لٹکا کے پھر دیکھنے آخر دہ ماہ پیکر نظر آئی۔ اور نواب صاحب کی فرش نصیبی سے اسی طرف منہ کرنے بیٹھی نواب صاحب دیکھتے ہی غم خش ہو گئے۔ پری کی صورت تھی۔ جیسی رنگت۔ بڑی بڑی بیٹھیں۔ سوتواں ناک پتلے پتلے ہونٹ۔ نازک نازک نقشہ چھر۔ بر ابدان بوٹا ساقد۔ مناسب اعضا۔ فتحت جوانی ہم تو اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ سود و سو حسینوں میں ایک حسین تھی۔ مگر نواب صاحب کو روزن دیوار سے جو عالم نظر آیا ہو گا اسکا حال نواب صاحب کے دل سے پوچھئے۔ یا خلیفہ جی کی زبان سے سئی۔

نواب۔ واںڈ کیا پیاری صورت ہے۔

خلیفہ۔ خیر یہ کہنے منظور نظر ہے یا نہیں؟۔

نواب۔ میرا تو ابھی سے دم نکلا جاتا ہے ہاتے اس کا وصال بھی ممکن ہے؟۔

خلیفہ۔ ممکن ہے۔ مگر عزت دار لوگ مظلوم ہوتے ہیں۔ بڑی دقت سے راضی ہوں گے۔ کچھ اس نظر سے تو آپ کو دکھایا نہ تھا۔ آپ تو اس رنڈی کو لاٹانی بحث تھے اب کہئے؟۔

نواب۔ اب اس کا ذکر ہی نہ کیجئے۔ کجا وہ۔ اور کجا یہ۔ واقعی کوئی نسبت ہی نہیں۔ میں نے

تو بھی ایسی صورت نہیں دیکھی۔ مگر اب تدبیر و سال بتائیے۔

خیف۔ کہہ تو دیا۔ دشوار۔ بلکہ قریب بسال۔

خواب۔ جو بچھو۔

خیف۔ اچھا تو اس وقت اس گفتگو کا موقع نہیں۔ خوب جسی بھر کے دیکھ لیجئے۔ پھر کچھ نہ کچھ تدبیر کی جائے گی۔ آگے آپ کی قسمت۔

نواب۔ ہمارے ایسا تو نہ کہیں۔ آپ تو ابھی سے کلیجہ بھاڑے دیتے ہیں۔ جسی بھر کے دیکھنا کیسا۔ اگر زندگی بعد دیکھا کر و تو بھی جسی نہ بھرے۔

خیف۔ نہاب چلے شام ہوتی ہے۔ اور یہ راستہ بھی ٹھیک نہیں۔ یہاں دن دلارے کپڑے بچھن جاتے ہیں۔

نواب۔ سہم کے۔ خدا کے لئے ایک نظر تو اور دیکھ لینے دیجئے۔

خیف۔ اچھا جلدی سے دیکھ لیجئے۔

نواب صاحب کی نکاہیں روزانہ دیوار سے بھی ہیں تھیں۔ خیف جسی مشکل اٹھا کے لائے راستہ میں نواب صاحب اگرچہ اس وقت بہت پئے ہوئے نہ کھے۔ متوالوں کی سس۔ چالا چل رہے تھے۔

قدم رکھتے کہیں تھے پڑتا کہیں تھے۔ بمشکل اتنی، اس طے ہوئی راستے سے خدمت گار کویا۔ گاڑی پر آکر کوچان نے گاڑی کی لاٹینیں روشن کیں۔ خدمت گار نے بوتل کھسوی ایک ایک دو چلا اُسر کے بعد روانہ ہوئے منصور نگر سے ہوتے ہوئے نخاس پہونچے وہاں سے تال کٹوڑے کی کربلا کی طرف گاڑی مورڈی شام کو اکثر روز حضرت گنج کی طرف جایا کرتے تھے۔ مگر آج خیف جس عمدًا دیرانے کی طرف لے چلے تاکہ نواب صاحب کے داماغ میں وہ خال خام پختہ ہو جائے جس بیمول آٹھ بجے تک ادھر ادھر

پھرتے رہتے نو کے عمل میں مکان پر واپس آکے۔ نواب صاحب کا زخم تازہ تھا متحمل آہ سرد پہم فریاد خیف جسی لے جب یہ رنگ دیکھا اور ہی راہ پر چلے بے پرواں نظر کرنے لگے۔ غرض کر دیں گھنڈے میں نواب کو اچھی طرح کس لیا کا۔ یا جس کی چھال بیک نہ دی۔ نوجوان امیرزادہ مرغیع بیمل کی طرح پھر کس رہا تھا

اوہ نظام خلیفہ اپنی لکار گزاری سے خوش ہو ہو کے اور بھڑا کار ہاتھا۔ آج شب کو نواب نے غذا میں تقلیل کی۔ شراب بہت سی پی۔ مگر سالم خیال میں قیامت کا تلاطم تھا۔ اس لئے نشہ کا اثر بالکل نہ ہوا۔ خلیفہ دس بجے رخصت ہوئے۔ نواب صاحب رات بھرا ہی بے آب کی طرح تڑپا کئے۔ مشکل رو بجے شب کو نیند آئی۔

حکیم صاحب کے گھر پر آج کسی کے آنے کا انتظار ہے میاں نبی نخش مصروف اہتمام ہیں تختوں کے چوکے پر چاندنی بدل گئی ہے۔ منڈپ کی قریب نے لکھا ڈیکھا ہے۔ دو کنوں کمرے میں روشن کئے گئے ہیں خاصہ ان میں چاندی کے ورق کی ٹکوڑیاں بھی ہوئی ہیں۔ احاطے میں دو فانوس زمین میں فصب کئے گئے ہیں۔ خود حکیم صاحب کے ٹھاٹھے دیکھنے کے لائق ہیں ولاستی چکن کا کرتے۔ جامدانی کا انگر کھا بز مشروع کا پاجامہ۔ زرد محل بوٹ۔ قمقہ دار ٹولپی ایک ذرا بھی رکھی ہوئی ہے۔ داڑھی خورد بینی کڑواںی گئی ہے مونچھوں میں ایک سفید بال بھی نظر نہیں آتا۔ ہلکا سُرمہ بھی نہیں مکھوں میں دیا گیا ہے۔ پہلے پٹوں سے ٹپک رہا ہے۔ عطر میں ہرہ تن غرق ہیں سوا کھٹکے کے قریب گاڑی کی فھرٹھڑھڑ ہٹ کی آواز آئی میاں نبی نخش دوڑے۔ حکیم صاحب بیقرار نہ مند سے اٹھ کھڑے ہوئے گاڑی احاطہ کے قریب نکلی۔ بلی مہری ہاپتی ہوئی اتریں۔

مہری۔ (حکیم صاحب سے) برف ہے؟

حکیم صاحب۔ ہاں موجود ہے۔

نبی نخش چاندی کی لٹلیتی میں برف بنائے لائے۔ بلی مہری گاڑی کے پاس لے کے گئیں۔ مہری لٹلی گاڑی میں دے کے دا بس آئیں۔ چاندی کا خاصہ ان لے گئیں۔ وہ بھی گاڑی میں غائب ہوا دوسرے بھی برے میں چاندی کی گڑا گڑا جو میاں نبی نخش نے پہلے سے بھر کے رکھ دی تھی۔ لے گئیں۔ حکیم صاحب منتظر ہیں کہ حکیم صاحب اتر کے آئیں گی۔ منڈپ کی برق کنوں کی روشنی میں جلوہ افروز ہو گی۔

مگر یہ بچھہ نہ ہوا۔ چند لمحے کے بعد مہری جو آئیں تو حرفِ رخصت نہ بان پر لا یں۔ حکیم صاحب اندر کی سانس
اندر اور باہر کی سانس باہر سے ہو گئے۔
حکیم صاحب۔ تو کیا اتریں گی نہیں۔

مہری۔ نہیں اس وقت گرسی بہت ہے دیدتے سوار ہوں ہیں۔ ابھی ایک جگہ اور جانے سے
اس کلمے کے دل پر نشتر کام کیا مگر ہو ہی کیا سکتا تھا۔

مہری۔ میں کوئی لکھنٹا بھر میں سواری پہنچا کے آتی ہوں۔ آپ ہمیں جائیے لانا نہیں۔ حکیم صاحب بچھے
اُدھر کے پیغام کے منتظر تھے۔ مگر مہری نے اس وقت تک ایک کلمہ بھی ایسا نہ کہا جس سے کچھ دل کو تسلیم ہوتی
چلتے چاہے پھولوں کا گہنا نقل چنگیر دان سہیت اٹھالیا اور یہ جاوہ جا۔ گاڑی میں جا بیٹھیں۔ گاڑی چلنگی
حکیم صاحب اس فکر میں ہیں افسوس سونے کی چڑیا جال کے قریب آ کر بیٹھی۔ دانہ کھایا اور
پھر سے آٹگئی۔ اتنے میں نبی نخش سامنے آئی تھی ہوئے آکر تو جی جلاتے ہوئے آئے۔

نبی نخش۔ بائیں دم بھرنہ تھا ہم نے تو چنان تھا۔ لکھنٹی دو لکھنٹی بیٹھیں گی۔ بات بیت ہو گئی
آپ سے سامنا ہو گا۔ وہ تو کھڑا سواری آئیں۔ اور روائی تو گئیں۔
حکیم صاحب۔ یہ میں مہری کی کارستانی سمجھو۔

نبی نخش۔ (بات کا پہلو بدل کر) مہری کا کیا قصور۔ معاوم ہوتا ہے۔ کوئی ضروری کام تھا کہ اسکی
نواز بخ کی طرف گئی ہے۔ خیر بھرا ہیں گی۔ اور یہ خاص دان اور گڑکڑی بھی لیتیں گیں؟۔
حکیم صاحب۔ کیا ہر جس سے چنگیر دان بھی تو گئیں۔

نبی نخش۔ اور چنگیر دان بھی گیا۔ اچھا۔ تو کوئی دو سوکی رقم لے گئی ہیں۔

حکیم صاحب۔ دل میں اندازہ کرنے لگے۔ واقعی اتنے ہی کامال تھا۔ اب دیکھو وہ اپس بھی آتا ہے
یا نہیں واپس کی فکر اس لئے تھی، کہ یہ سب اسباب مانگے کا تھا۔ اگر واپس نہ آیا تو ماں کے مال سے کیا کہا جائے
گا۔ بہر صورت اب تو گیا۔

حکیم صاحب نے یہ اندازہ دل ہی دل میں کیا تھا۔ مگر نبی نخش تو ایسے آدمی تھے کہ جو حکیم صاحب

کے دل میں ہو وہ ان کی زبانی پر چارسی ہو جائے۔

نبی نخش - خیر جانے دیجئے انشا را شر کچھ لے کے آئے گا۔

حکیم صاحب کو اس وقت یہ بات سمجھ ایسی اچھی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ بہت بھنپھلائے ہوئے بیٹھے تھے اس لئے کہ وعدہ یہ ہوا تھا کہ بیگم صاحب آئیں گی۔ دو تین گھنٹے تشریف رکھیں گی۔ خاصہ نوش فرمائیں گی۔ آج ہی مل مرحومے طے ہو جائیں گے یہاں یہ کچھ بھی نہ ہوا۔

حکیم صاحب - لے کے کیا آئے گا؟ یہ کہتے کیا ہو۔ شاید افیم زیادہ ہو گئی۔

نبی نخش - بیگم صاحب کو لے کے آکے گا۔ افیم آپ کی سلامتی میں کہاں زیادہ ہوتی ہے۔ وہی دو بیہر کو دھیل کی پی تھی۔ دوڑتے دوڑتے پاؤں ٹوٹ گئے۔

حکیم صاحب کچھ کہنے کو تھے کہ اتنے میں بی مہری سامنے سے نمودار ہوئیں۔ اور حکیم صاحب کی صورت دیکھتے ہیں۔

مہری - مبارک ہو۔ انعام دلو ایسے
حکیم صاحب - یہ مبارکی کا ہے گی۔ انعام کیا ابھی ہوا اسی کیا ہے۔

مہری - ہاں اب کیسا ہے۔ یہ تو کہتے ہیں گا۔ آپ تو ابھی سے کہیں باتیں کرنے لگے بھرپر گھوڑے یہیں سے ایسے میں سورا ہتھے۔

مہری کی یہ تقدیر ایسی نہ تھی کہ حکیم صاحب کا مزاج درست نہ کر دیتی۔ اس لئے کہ یہ تھے ہوئے تھے کہ سونے کی چھڑیا کا رُڑانا اور دام میں پھنسنا دینا ان کے اختیار میں ہے۔

حکیم صاحب - کچھ کہو تو کیا ہوا۔

مہری - کہتے تو ہیں۔ سب بات ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔ ابکی نوجہ دی کو تال کٹوڑے کی کربلا میں آپ کو بُلا یا ہے۔

حکیم صاحب - تم نے تو کہا تھا وہ اتر کے آئیں گی۔ تھوڑی دیر بیٹھیں گی ہم نے یہاں کھانا دانا تیار کرایا تھا۔ کشتیاں لگی رکھی ہیں۔

مہری۔ اس لئے تو میں آئی ہوں۔ مزدور بلوائیں۔ یہ سب ساختہ کر دیجئے میں نے سب کہہ دیا ہے۔
 حکیم صاحب۔ یہاں انگر کے کیوں نہ آئیں۔
 مہری۔ دیکھو تو نبی خشن ان کی کیسی کیسی باتیں ہیں۔ لاکھ کچھ ہو۔ چھ عورت ذات ہیں۔ مگر سے
 یہ ہی ارادہ کر کے چل تھیں۔ یہاں پہنچ کے ہوا اور نہ پڑا اچکچا گئیں۔ ایک دن کے سو سال میں دن ہیں۔
 پھر آئیں گی۔

حکیم صاحب۔ پھر کیا کہتی ہو۔ سب بات ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔ نہ انھوں نے بھے دیکھانہ میں نے
 انھیں دیکھا۔ اور سب بات ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔ تم بھی کیا آدمی ہو۔
 مہری۔ دیکھا کیوں نہیں جب آپ نیم کے پاس کھڑے تھے انھوں نے اچھی طرح دیکھا۔
 نبی خشن۔ پھر کیا کہا۔
 مہری۔ کہتی کیا؟۔

نبی خشن۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے حکیم صاحب کو پیدا بھی کیا؟۔
 مہری۔ پسند کیوں نہیں کیا۔ کہتی تھیں ابھی تو ایسے بدھے نہیں ہیں۔
 حکیم صاحب اس فقرے سے کچھ ایسے خوش نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ اپنے زخم میں جوان رعنائے۔
 اور یہ فقرہ واقعیت کا پہلو لئے ہوئے تھا حکیم صاحب کے ماتھے پرشکن پڑلے ہی کو تھی کہ نبی خشن نے جوڑ
 کا توارکیا۔ اور حکیم صاحب ماشا را اللہ سے کب جوان ہیں۔

مہری۔ یہ میں کب کہتی ہوں۔ جوان تو نہیں ہیں۔ مگر ماشا را اللہ سے میری انھوں میں خاک ابھی
 جوانوں سے اچھی ہیں۔ ایک بال سر میں سفید نہیں۔ چہرے پر ایک جھری کافشان تک نہیں۔ ایک زادپاں
 نہیں پڑھی ہوتی ہیں۔

نبی خشن۔ یہ کج ہے۔ اچھا تو میں سو بات کی ایک بات کہہ دوں۔ اچھا خاصہ جوڑ ہے۔

مہری۔ ہاں آں۔ ابی لاکھ روپیہ کی ایک بات تو یہ ہے کہ مرد ذات کی صورت کیا خوبصورت تو عورت
 کے لئے چاہئے ہے۔

اس تقریر بہبی نہش اور مہری کی بحث کا فصل ہو گیا۔

جھاتار کا بیوی میں نکلنے لگا۔ رکابیاں خوانوں میں چپنی گئیں۔ کشتیاں پہنچتے ہی سے سمجھاں رکھی تھیں (بھولوں کا گہنا مہری پہنچتے ہیں یا جا چکی تھی) بہبی نہش چار مزدور نیاں بلا لائے۔ خوان کسنوں میں کسے لگے۔ اور پرستے خوان پوش ڈالے گئے۔ کشتیوں پر کشتی پوش پڑے۔ بی مہری انعام کے لئے بھکڑا نہ لگیں۔ مگر اس کا فصلہ صحیح بر مظہر امیاں بہبی نہش بی مہری کے ساتھ ہوئے خوان کشتیاں روشن ہو گئیں۔ حق بحق دار رہید۔

دل لگانے کو نہ بھعدل دل گئی۔

دشمنوں کی جان پر بن جائے گی

ہمارے بھوے بھائے نواب صاحب کو اپنے بھلے بہلے دل لگانے کا اتفاق ہوا ہے برد نہیں
کے عشق میں ہزاروں آفتتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ لاکھ نہیں وہی سے ایک تھلک نظر آتی ہے اس پر
یہ ستم کہ اگر کس نے جھانکتے تاکتے دیکھ لیا بد نام ہوئے۔ لوگ دشمن ہو گئے اپنے بیگانوں کی نظروں سے
لگ گئے۔ اعتبار جاتا رہا اور اگر کسی نے دیکھا خود اپنا نفس ملامت کرتا ہے جس کو نفس لواہ کی
زجو تو نجاح کا حس و مس نہیں۔ اُس کو اہل اخلاق مردہ مجھتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر زندہ ہو۔ مگر نہ
ہم چھوٹے نواب صاحب کے اتا یق۔ اور نہ خلیفہ جی کے نصیحت گر۔ ہم کو صروف واقعہ نویسی سے کام ہے۔

القصد دوسرے دن چھوٹے نواب خلیفہ جی کی منت سماجت کر کے اس مکان خال میں لے گئے نواب
صاحب نے روزانہ دیوار سے جھانک کر دیکھا۔ مکان خال پڑا تھا بڑی در تک دیکھتے رہے۔ نہ دہ
تختوں کا چوکا بھعا۔ نہ بڑھیا تھی نہ وہ پرسی پیکر۔

نواب۔ ہا یہیں یہاں تو کوئی نظر نہیں آتا۔

خلیفہ۔ کہیں گئی ہوئی گی۔ فرمادیکھر پیچے۔

نواب۔ اور وہ تختوں کا پوکا بھی تو نہیں۔ یہ توجیسے مکان خال پڑا ہے۔ وہ گھرے ٹوٹے ہوئے سامنے پڑے ہیں۔ یہ ما جرا کیا ہے۔

خلیفہ۔ (روزنہ میں دیکھ کے) ہاں سچ تو ہے۔ ہائیس یہ کیا ہوا۔ کیا یہ لوگ مکان سے اٹھ گئے خلیفہ جی اور نواب صاحب دونوں اس چھپرست باہر نکلے۔ خلیفہ جی نے پہلے ایک چھوٹی سی لکری اس مکان کی طرف پھینکی۔ پھر ایک بڑا سادھیلا پھینکا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی مکان میں ہو گا تو غل مجاہدے لگا۔ صدائے برخواست اس مکان کی دیواریں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ خلیفہ جی اور نواب صاحب دونوں دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا تو مکان بالکل خال پڑا ہے۔ کافی چڑھا تک نہیں مکان بالکل منہدم تھا۔ صرف وہی ایک دالان باقی تھا جس نے اُس دن وہ بڑھایا اور وہ نازشیں نظر آئی تھیں۔

خلیفہ۔ اس مکان میں رہ کون سکتا ہے۔ یہ تو بالکل گمراہ ہوا ہے۔

نواب۔ پھر وہ لوگ اس میں کیونکر رہتے ہیں۔

خلیفہ۔ یہی تو میں بھی حیران ہوں۔ (پھر کچھ خوفزدہ بول کے) اچکے گھر چلیں۔ یہ تو کچھ عجیب طسمات ہیں۔

دونوں صاحب مکان سے باہر نکلے۔

خلیفہ۔ چلنے ذرا اس مکان کو اندر سے دیکھتے چلیں۔

نواب۔ ہاں یہ تو آپ نے میرے دل کی کہی۔

خلیفہ اور نواب دونوں اس گھر میں گئے۔ کونا کونا دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے یہاں کوئی بھی رہتا ہی نہ تھا۔ چولھانہ جلکی کسی چیز کا نشان نہ تھا دالان کے طاق میں ایک کورسی کا خذیلہ ہانڈسی رکھی ہوئی تھی۔ نواب نے اسے اٹھا کے دیکھا۔ اس میں پانچ گلوریاں ایک شالات کی صافی میں لپٹی ہوئی رکھی تھیں۔ اور سات پھول بیلے کے بڑے تھے۔ اور ایک بندچہ کا غذہ کا رکھا تھا۔ گلوریاں نہایت ہی نفیس نبی ہوئی عطر میں بسی ہوئی تھیں۔ دوپر سو نے کا درق لپٹا ہوا تھا

اور میں پرچاند کا در حقیقت کا لانڈ کے بیچ پر کچھ نفس ایسا بننا ہوا تھا۔ ۱۳۴۲ء ۲۵۴

نواب۔ میں نہ مانوں یہ کچھ اسرائیل ہے۔

خلیفہ۔ اس میں شک ہی کیا۔ قہقہہ گھر چلے۔ ہانڈی کو یہیں پٹخنے خدا جان کیا ہو گی نہ ہو۔

نواب۔ ہانڈی تو میں لیتا چلوں گا۔ مگر یہ آپ اس مکان تک کیونکر بہو پنجے۔ میں نہ جانتا تھا آپ بڑے سخت دل کے آدمی ہیں۔

خلیفہ۔ اب یہ قصہ بیان نہ کروں گا۔ دل قابو میں آئے تو کہوں۔

خلیفہ جی کی صورت اور آواز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ڈرگا ہو۔

دونوں صاحب گاڑی کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں خدمت گار ملا۔ نواب نے ہانڈی اس کو دے دی۔ تھوڑی دور جا کر خلیفہ کے گھوپ باداً یا مکان کی کنجی تو میر صاحب کو دیتا چلوں۔

نواب۔ میر صاحب کون؟

خلیفہ۔ جن کا وہ مکان ہے۔ جماں سے آپ نے اس پری (اب تو پری کہنا ہی چاہئے) کو دیکھا وہاں سے تھوڑی دوڑ را یک گلی میں سے ہو کے میر صاحب کا مکان تھا۔ دونوں وہاں گئے۔ خلیفہ نے آواز دی۔ میر صاحب ایک بوڑھے سے آدمی نسل نگی باندھے ہوئے کھڑے نکل آئے۔

خلیفہ۔ (میر صاحب سے) یہی رحترت یہ اپنے مکان کی کنجی یہی۔

میر صاحب۔ کیوں خیر ہاشد۔

خلیفہ۔ جی کچھ نہیں۔ میں نہ رہوں گا۔

میر صاحب۔ آپ رہنے یا نہ رہنے ایک ہمینہ کا کریہ جو آپ نے دیا ہے واپس نہ ہو گا۔

خلیفہ۔ جناب میں کرائے سے باز آیا۔ آپ کا مکان آپ کو مبارک رہے۔

میر صاحب۔ آخر کچھ کہئے تو یہ آپ اسقدر برداشتہ خاطر کیوں ہیں۔ مجھ سے تو کچھ قصور نہیں ہوا

خلیفہ۔ اول تو دیرائے میں مکان ہے۔ وہ مکان جو اس کے برابر ہیں ہے اس میں کوئی رہتا

تھا وہ بھی اُٹھ گیا۔ اب تو بالکل ہی اُجاڑ ہو گیا۔

میر صاحب - اس لکھنڈر میں کون رہتا تھا۔ وہ تو برسوں سے خال پڑا ہے۔ بھلا دھکی کے لئے
کے قابل ہے۔

خیلیفہ - میں نے مُنا تھا اُس میں دو عورتیں رہتی ہیں۔ اسی سہارے پر میں نے مکان لیا تھا
میرے لگنے کی عورتیں بھی وہاں رہتیں۔ میں کسی دن آیا نہ آیا۔ خیر آبادی تو تھی۔

میر صاحب - درست جناب اُس لکھنڈر میں برسوں سے کوئی نہیں رہتا۔ آپ نے کس سے مُنا
تھا اس میں عورتیں رہتی ہیں۔ میرے بڑے بھائی کا وہ مکان ہے اگر کوئی رہتا ہو تو مجھے نہ معلوم ہو۔
قصور معاف ہو آپ کو وہم ہے۔

خیلیفہ - خیر آبادی ہو گا۔ کچھ تو لیجھے۔

میر صاحب - نے کچھ لے لی۔ خیلیفہ اور نواب دونوں رخصت ہوئے جس وقت خیلیفہ اور میر صاحب میں
گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک بزرگ اُس محلے کے رہنے والے راہ فام سے پستہ قد کھڑے ہوئے ہے تھے۔ جب
خیلیفہ نے کچھ میر صاحب کو دیکھ لیا۔ اور وہ مکان میں بٹھ گئے وہ صاحب ساتھ ساتھ ہوئے۔
چند قدم آگے بڑھ کے وہ خیلیفہ سے باتیں کرنے لگا۔
وہ صاحب - وہ مکان آپ نے اپنے رب بن کو لیا تھا۔

خیلیفہ - جی ہاں۔

وہ صاحب - غنیمہ کیا تھا۔

خیلیفہ - کیوں۔

وہ صاحب - جناب اس لکھنڈر میں اسرار ہے۔ راتوں کو کانے کی آواز آیا کرتی ہے۔ محرم میں آتم
ہوتا ہے۔ راتوں کو اکثر وتنی نظر آتی ہے۔ پھر صحیح کو جما کے دیکھو تو کچھ بھی نہیں یہ تو حملہ بھر جانتا ہے اس
میں جن رہتے ہیں آپ نے اچھا کیا مکان خالی کر دیا۔ اور کراپہ کیا دیا تھا۔

خیلیفہ - ڈیڑھ روپیہ۔

وہ صاحب - اچھا تو آپ ڈیڑھ روپے سے راہتہ دھویتے۔ اور ارب کھنی اُس طوف کا رخ نہ کیجھے گا۔

خلیفہ۔ مگر میر صاحب کو دیکھئے ہم سے نہ کہا کہ مکان میر آسیب ہے۔ اور اپر سے جمع شالائی ہیں۔ وہ کیا شرافت ہے۔

وہ صاحب۔ جناب وہ کیوں کہتے۔ ان کا تو فائدہ تھا۔ ڈیڑھ روپیہ آپ سے کیوں کروصول ہوتا۔

خلیفہ۔ اپنا تو ڈیڑھ روپیہ کا فائدہ ہوا۔ اور دوسروں کی جان پر بن گئی ہوئی۔

وہ صاحب۔ ان کی بڑی سی۔ اسی طرح جب کوئی شخص جاتا ہے اُس سے کراچیہ مار لیتے ہیں۔ اس مکان میں حشمت کوئی ملکہ رہی نہیں سکتا۔

خلیفہ۔ خیریت ہوئی کہ انہیں میں اپنا اسباب و نیکرہ نہیں لایا تھا۔

وہ صاحب۔ مفت میں پارہیز اوری پڑھاتی میر صاحب کی دلگی تھی۔ میری رائے میں تو ایسے مکاں کو کھدا کے زمین برابر گردادی جائے۔ خلیفہ۔ جس ہاں درست ہے۔

اتھنی باتیں ہوئی تھیں کہ وہ صاحب راست سے علیحدہ ہو گئے اور خلیفہ اور نواب میں گذشتہ وہ بدل گئی ہوئے گئی۔

خلیفہ۔ مگر آپ نے یہ بھی عجیب معاملہ ہوا۔

نواب۔ مگر یہ تو کہنے آپ یہاں تک کیوں کر پہنچے۔

خلیفہ۔ بات یہ ہوئی کہ میں کوئی اکٹھ دس دن کو ادھر سے جاتا تھا اس ٹوٹے مکان کے قریب پہنچ کے میری نظر اس ماہ جیسی پر بڑھی۔ جب میرے اُس کے چار انکھیں ہوئیں تو اُس نے مسکرا کے منہ پھیلایا۔ اب بجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ یہاں کس طرح رسالی گرنا چاہئے۔ یہ مکان مجھے کو خالی معلوم ہوا میرے جسی میں آئی کہ یہ مکان کراچیہ پرے لوں۔ کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ مہر ان کھڑی تھی میں نے اُس سے دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے۔ اُس نے میر صاحب کا پتہ دیا میں نے میر صاحب کے پاس جا کے مکان کراچیہ پر لے لیا۔ یہ سب تدبیر میں اپنے لئے کی تھیں۔

اُس دن بادشاہ باش میں آپ اُس رنڈی کی تعریف کر لے گے۔ یہ صورت میری نظر میں بھی میں نے کہا نواب صاحب کو ذرا ایک جھلکی دکھادول۔ اے بھائی۔ یہاں یہ معاملہ نکلا چلتے ہیں تک خیرتے ہوئے۔

نواب۔ مگر کیا بلا کی صورت ہے۔ میری تو نظر سے ایسی صورت نہیں گئی۔ دالٹر کی وجہ پر ایک داش ہو گیا۔

خلیفہ۔ اب اس کا خیال نہیں ہے۔ اچھا یوا۔ ابھی سے حال کھل گیا اور نہ خدا جانے کی آفت ہوتی گریہ آپ کا اقبال ہے کہ آپ نے پری کو آنکھ سے دیکھ لیا۔ کہیں یہ صورتیں دیکھنا نصیب ہوتی ہیں پری کا حال قصہ کہانیوں میں سنتے تھے۔ یہاں انکھوں سے دیکھ لیا۔ مگر ایک بات میں آپ کو بھاکے دیتا ہوں۔ لیںڈ اس کا ذکر کسی سے نہ کیجو دلگا۔ اور ان گلوریوں سے تو ایک اور بات بھجے میں آتی ہے۔

نواب۔ وہ کیا۔

خلیفہ۔ اس وقت کا کہنا میرا یاد رکھتا ہے۔ وہ آپ سے کہیں نہ کہیں ملے گی ضرور۔

نواب۔ ہاں یہ بات تو میرے خیال میں بھی آتی ہے۔ عجیب نہیں مگر اس پر بے میں خدا جانے کیا لکھا ہے۔

خلیفہ۔ لا یئے دیکھوں۔

نواب۔ (جیب سے پرچہ نکال کے دیا) دیکھو خدا جانے کون ساختا ہے۔

خلیفہ۔ خط جتنی ہے۔

دیکھو میں کرامت علی شاہ صاحب کو لے آؤں گا وہ صاحب پڑھ دیں گے۔

نواب۔ ہاں ایسے بھی لوگ ہیں جو یہ خط پڑھ لیتے ہیں۔

خلیفہ۔ جو لوگ علیات وغیرہ کرتے ہیں۔ وہی پڑھ سکتے ہیں۔ آپ دیکھ لگا۔ کرامت علی شاہ صاحب بڑے کامی ہیں۔ بلکہ وہ آپ کو اور بچہ حال بھی بتائیں گے۔ اس فن میں یکتا ہیں۔

نواب۔ دالٹر ہمارا شہر لکھنؤ لاکھ گیا گذرائے گر اس میں بھی ہرفون کا کام موجود ہے۔ میر کرامت علی